Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)

International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189

http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

اردو افسانے کی روایت

The Tradition of Urdu Short Story

Safia Bibi
PhD scholar, Department of
Urdu, NCBA & E sub campus Multan

Muhammad Hanif
PhD scholar, Department of
Urdu, NCBA & E sub campus Multan

Dr, Aslam aziz Durani
Professor, Department of Urdu,
NCBA&E Sub Campus Multan

ABSTRACT

In the beginning, the domain of Urdu literature seemed empty, except for a few tales or stories. In the first half of the twentieth century, under the influence of the West, a new genre was introduced: the short story (*Afsana*). This article will discuss the tradition of the Urdu short story.

Before the partition of India, the main themes of Urdu short stories were freedom and progressivism. After the partition, themes such as the pain of migration and the horrors of communal riots began to emerge in Urdu short stories.

Modern short stories have psychologically portrayed mental crises and intellectual unrest. The mechanical age has neglected human emotions, resulting in inner social suffocation and the dominance of loneliness. Social oppression has also influenced the tradition of the Urdu short story. The intellectual struggle and sense of isolation depicted in Urdu short stories can also be products of imagination.

Modern Urdu short stories have deviated from conventional storytelling. Overall, the brief tradition of the short story— spanning nearly a century—has passed through various thematic and narrative stages to reach its present form.

Both the foundational and the renowned short story writers are an integral part of Urdu literature.

Key Words: Progressivism, Emotional Upheaval, Social Suffocation, Intellectual Conflict, Imaginative Fantasy *(or Imagination and Fantasy)*, Mechanical Age

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

برصغیر میں داستانوی ادب کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ ان داستانوں میں لکھاری مفوق الفطرت عناصر کی مدد سے قاری کے لیے حظ کا سامان پیدا کرتا ہے۔ ان داستانوں کا پس منظر اگرچہ تہذیبی طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن ان میں سماج کے مسائل اور مشکلات کی صحیح عکاسی نہیں کی جاتی تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب اردو ادب میں عقلیت کی تحریک نے جنم لیا تو ناول نے داستان کی جگہ لے لی۔ ابتداء میں ڈپٹی نذیر احمد کے ناول منظر عام پر آئے جنھوں نے اپنے ادبی تخلیقات کی مدد سے سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ان ناولوں کی بنیاد چونکہ سماجیاتی تھی اس لیے انھیں بھرپور عوامی پذیرائی ملی۔

بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو ناول سے مختصر افسانوی تخلیق یعنی افسانہ اردو ادب میں وارد ہوا۔ ابتدائی افسانوں پر اگرچہ محققین کی رائے میں اختلاف ہے لیکن یہ طے ہے کہ راشد الخیری کی تخلیق کو اولین افسانہ تسلیم کیا جائے یا پریم چند کے سوز وطن کو، اردو افسانے کے ابتدائی نقوش وضع کرنے میں سب سے اہم کردار پریم چند نے ہی ادا کیا ہے۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں مفلوک الحال ہندوستانیوں کو موضوع بنایا ۔ ان کے افسانوں میں سماجی جبر اور طبقاتی تقسیم کی پیدا سے پیدا ہونے والی سماجی تباہی کی عکس بندی نہایت فن کارانہ انداز میں کی گئی ہے۔ پریم چند کے پہلا افسانوی مجموعہ ''سوز وطن'' 1908ء میں منظر عام پہ آیا۔ اس افسانوی مجموعے میں جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے انھوں نے اپنے وطن کے باسیوں کی درد بھری زندگیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ڈاکٹر پروین اظہر پریم چند کے افسانوں میں موجود سماجی درد مندی کے عنصر پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں لکھتی ہیں:

> 'ماضی کی عظمت کی یاد دلا کر نوجوانوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی غرض سے تاریخی افسانے بھی تحریر کیے مگر پریم طند کا حساس دل جس چیز سے سب سے زیاد ہ حیران و پریشان نظر آتا ہے وہ نچلے طبقے کے مفلوک الحال زندگی اور اس کی تاریکیاں ہیں جہاں روشنی کا دور دور تک گزر نہیں۔ زندگی گزارنے کا معقول سہارا نہیں۔ محنت و مشقت کے بعد بھی جن کی زندگی ویران و سنسان ہے۔ اس

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)

International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189

http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

درماندہ اور مظلوم طبقے کے لیے جدوجہد کر کے وہ زندگی بھر اس پیغام کو عام کرتے رہے۔‘‘[1]

پریم چند کے افسانوں میں ہمیں جابجا انسانیت کی تذلیل ، استحسال اور غلامی کا احساس دکھائی دیتا ہے۔ اس ضمن میں ان کا افسانے ’’سوا سیر گیہوں‘‘، ’’دودھ کی قیمت‘‘ ، ’’جرمانہ‘‘، ’’دو بیلوں کی کہانی‘‘ اور ’’پوس کی رات‘‘ سماجی استحصال کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان افسانوں میں انھوں نے برصغیر کے لوگوں کے بدتر حالات کی تصویر کشی کی ہے۔ پریم چند نے اپنے افسانوں مینمتعدد جانوروں کو بھی کردار کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ ان کرداروں کے کے ذریعے انھوں نے انسان کی ذہنی پستی اور اس کے غلامی کے تصور کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کی ابتری کا نوحہ بیان کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر پروین اظہر:

’’ منگل کا کتے کا سر سہلانا اور جواب میں کتے کا دم ہلانا استحصال اور غلامی کے منہ پر بڑا طمانچہ ہے ۔ ’’دو بیلوں کی کہانی‘‘ کے ہیرا اور موتی کی روداد بھی انسان سے انسان کے رشتے پر بھرپور طنز ہے جس میں خود غرض انسان سے زیادہ حیوان ہوش مندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ’’پوس کی رات‘‘ کا جبرا (کتا) بھی اپنی خاموش زبان سے اندھیری رات میں ، جب کہ تارے بھی ٹھٹھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے یاوری اور رفاقت کا جو دم بھرتا ہے وہ انسانیت پر بڑا گہرا طنز ہے۔‘‘[2]

پریم چند نے جس روایت کی ابتدا کی اس میں راشد الخیری نے طبقہ نسواں کے مسائل پر اپنی توجہ مرکوز کر کے ایک عمدہ اضافہ کیا۔ انھوں نے نے برصغیر میں عورتوں کے مسائل اور نام نہاد سماجی ، اخلاقی اور مذہبی قیود میں بند خواتین کے جبری استحصال کے خلاف لکھنا شروع کیا۔ ان کے افسانے خواتین کی سماجی بیدا ری میں جہاں کلیدی کردار ادا کر تے رہے وہاںانھوں نے مرد کے اندر بھی اس احساس کو جنم دیا جس کے پیش نظر انھوں نے عورت کے وجود کی سچائی کو تسلیم کیا۔

اردو افسانے پہ مغربی اثرات کے پیش نظر آسکر وائلڈ اور پیٹر کے نظریہ ادب سے متاثر ہو کر متعدد افسانہ نگاروں نے طبع آزمائی کی۔

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)
International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue

Online ISSN 3007-3197 | Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

اردو افسانے میں رومانوی رجحانات پیش کرنے میں سجاد حیدر یلدررم اور نیاز فتح پوری کا نام قابل ذکر ہے۔ ان اصحاب اردو افسانے کو تسکین کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات کے رومانوی و جمالیاتی پہلو کو افسانے کا موضوع بنایا ۔ یوں اردو افسانے میں تخلیقی فضا قائم ہو گئی ۔ ان اس رجحان کی پیروی کرنے والے افسانہ نگاروں کے نزدیک زندگی کے ہر پہلوکو افسانے کا موضوع نہیں بنانا چاہیے ۔ ایسے موضوعات جو انسانی نفسیات پر تلخ اثرات چھوڑیں انہیں افسانوں موضوعات سے خارج تصور کرنا چاہیے۔ ان کے برعکس افسانوں میں صرف جمالیاتی، رومانوی اور تخیلاتی موضوعات کو بروئے کار لانا چاہیے۔ انھوں نے عورت اور حسن و عشق کی مدد سے تخلیقی کارنامے سرانجام دینے پہ زور دیا ہے۔

سجاد حیدر یلدرم کا پہلا افسانوی مجموعہ ''خیالستان'' 1911ء میں منظر عام پہ آیا۔ ان افسانوں پہ اگرچہ انشائیہ کی چھاپ دکھائی دیتی ہے لیکن مجموعی طور پر ان کی تخلیقات روایت ساز ثابت ہوئیں جنھیں بعد میں نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھپوری اور حجاب امتیاز علی نے بام عروج تک پہنچایا۔ اس ضمن میں نیاز فتح پوری کا اولین افسانہ ''ایک پارسی دوشیزہ کو دیکھ کر'' رومانوی اثرات سے بھرپور افسانہ ہے۔ اسی طرح حجاب امتیاز علی نے رومانیت کے ساتھ ساتھ جمالیات کو بھی نہایت فن کارانہ انداز میں متعارف کرایا ہے۔ مجنوں گورکھپوری کے ہاں رومانیت کے ساتھ ساتھ رجائیت کی بجائے حزنیہ اثرات دکھائی دیتے ہیں ۔ ان کے افسانوں ایک نامعلوم احساس شکست لیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے سماجی بدحالی سے مکمل طور پر پہلو تہی نہیں کی بلکہ سماج میں ہر سو پھیلے ہوئے درد کو رومانوی احساسات میں بھی جگہ دی ہے۔ اس ضمن میں ان کے افسانے ''خواب و خیال''، ''بیگانہ'' اور ''تم میرے ہو'' رومانیت اور احساس ناکامی کے حسین امتزاج کی بہترین مثالیں ہیں۔

اس زمانے میں متعدد افسانہ نگار پریم چند کی روش بھی اپنائیے ہوئے تھے۔ ان افسانہ نگاروں میں سلطان حیدر جوش اور اعظم کریوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے مقامی لوگوں خاص طور پر راجپوتوں کی ہمت اور جواں مردی کی مثالوں کو اپنے افسانوں کا

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)
International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue
Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

موضوع بنایا تاکہ نسل نو میں خود اعتمادی کا عنصر پیدا کیا جا سکے۔1930ء تک اردو افسانے میں یہی دو متوازی رجحانات قابل ذکر رہے ۔ ایک طرف پریم چند کے سماجیاتی درد کے احساس کی شدت اور وطن پرستی کے زیر سایہ افسانے لکھے جا رہے تھے تو دوسری طورف رومانیت اور جمالیاتی افسانے اردو ادب میں جگہ پا رہے تھے۔

1932ء میں ''انگارے'' کی اشاعت کے ساتھ ہی اردو افسانہ ایک نئے عہد میں داخل ہو گیا۔اس عہد میں مارکسی نظریات کے زیر اثر اردو میں شاہکار افسانے لکھے گئے۔ ان افسانوں پرصغیر کے لوگوں میں سماجی بیداری کی ایک طاقت ور لہر پیدا کر دی۔ سماجی مسائل ، طبقاتیت، انسانی اذہان پر مذہب کی جارہ داری، سرمایہ دارانہ نظام، نوآبادیاتی عہد کا جبر ، اقدار میں چھپی نے حسی اور صنفی استحصال غرض کئی موضوعات اس عہد میں افسانوں کا موضوع بنے۔ مارکسی اثرات کے ساتھ ساتھ انیس سو تیس کی اس دہائی میں فرائیڈ کے اثرات بھی اردو افسانے میں دکھائی دینے لگے۔ نتیجتاً جنس ، جبلت، شعور اور لاشعور کے موضوعات اردو افسانے میں رواج پانے لگے۔ قمر رئیس ''انگارے'' کی شعلہ بیانی پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''(انگارے) ایک طرف اردو افسانے کی پرسکون دنیا میں دھماکہ تھی تو دوسری طرف ان حلقوں اور ان طبقوں میں غیظ و غضب کی آگ دہک اٹھی۔''[3]

ترقی پسند تحریک نے اردو کو نامور ادباء عطا کیے ہیں۔ ان ادباء نے ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی کا پرچار کیا جس کے نتیجے میں ادب انسانی مسائل اور اس کے حل کا مرکز بن گیا۔ ان افسانہ نگاروں نے افسانوں کو محض حظ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے اس میں مقصدیت کی روح پھونک دی۔ اس تحریک کے زیر اثر ملکی غلامی، طبقاتی کشمکش، افلاس، سماجی انتشار، قومی اتحاد ، سماجی اقدار اور اخلاقیات کا کھوکھلا پن، فرقہ پرستی، رجعت پسندی، بین الاقوامی سطح پر جنم لینے والی سیاسی سرکشی، سرمایہ داری، جاگیردارانہ نظام جیسے متعدد موضوعات پر افسانے لکھے

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)

International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue

Online ISSN 3007-3197 | Print ISSN 3007-3189

http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

گئے۔

ترقی پسند تحریک میں چونکہ بے باک طریقے سے سماجی مسائل اور فرد کی داخلی و خارجی زندگیوں پر نام نہاد اقدار کے موضوع پر لکھا گیا اس لیے ان افسانوں کو وسیع تر عوامی مقبولیت نصیب ہوئی۔ ان افسانہ نگاروں کو صف اول کے نقاد نصیب ہوئے جنھوں نے افسانوں کے پوشیدہ گوشوں کی نقاب کشائی کرنے میں قارئین کی مدد کی۔ ترقی پسند تحریک میں انفرادیت سے زیادہ اجتماعیت کا تاثر نمایاں تھا۔ یہ تحریک چونکہ نظریاتی لحاظ سے نوآبادیاتی نظام کے خلاف تھی جبکہ اس کی تمام تر ہمدردیاں دنیا بھر میں مارکسی متحرکین سے تھی اس لیے اس میں اجتماعی کاوش کے تاثر اور وسیع تر سماجی فکر کی کارفرمائی تھی۔ ڈاکٹر محمد حسن ترقی پسند افسانے کی فکری جہت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’پہلی بار لفظوں میں ادب کو آسمانی صحیفہ قرار دینے کی بجائے اسے مسائل کے ادراک اور ان کے حل کرنے کا ذریعہ بنایا۔‘‘[4]

ان افسانہ نگاروں نے ترقی پسندی کی سیاسی بسیرت کے ساتھ ساتھ فرائیڈ کے نظریہ جنس کی بھی تقلید کی۔ اس ضمن میں سعادت حسن منٹو نے متعدد شاہکار افسانے لکھے ۔ جن میں انہوں انسانی جبلت میں جنسی تسکین کے فطری تاثر کو نمایاں کیا۔ ان افسانہ نگاروں میں منٹو اور عصمت چغتائی کے نام سر فہرست ہیں۔ منٹو نے طوائف اور تقسیم ہند کے وقت کے جنسی استحصال کو موضوع بنایا جبکہ عصمت چغتائی نے اخلاقی اقدار کی وجہ سے انسان میں دبے ہوئے جنسی تسکین کے جذبے پہ متعدد افسانے لکھے۔

اردو افسانے میں ہجرت کے موضوع پر سب سے پہلے کرشن چندر نے ’’ہم وحشی ہیں‘‘ کے عنوان سے افسانے شائع کیے۔ ان افسانوں میں انہوں نے ہجرت کے دوران انسانیت کی تذلیل کے واقعات بیان کیے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں قتل و غارت کے ایسے مناظر بیان کیے جنھوں نے اردو افسانے کی موضوعاتی سمت ہی بدل دی۔ ان سے قبل اردو افسانے میں اگرچہ فرقہ وارانہ مسائل کی عکس بندی کی روایت موجود تھی لیکن قتل و غارت اور عصمت دری کی ایسی

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)
International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

اجتماعی صورتحال دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ''ہم وحشی ہیں'' کی اشاعت 1947 ءمیں ہوئی۔ یہ زمانہ فسادات کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس کی اشاعت کے ساتھ ہی دیگر افسانہ نگاروں نے بھی اس موضوع پر لکھنا شروع کر دیا۔''ہم وحشی ہیں'' میں کرشن چندر نے جس طرح پنجاب کی وحدت ختم ہونے کے دکھ کا اظہار کیا ہے اسی طرح کے تاثرات ہمیں رام لعل کے ہاں بھی دکھائی دیتے ہیں ۔

کرشن چندر نے امرتسر کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے پنجاب کی قدیم اقدار کا نوحہ بیان کیا ہے تو رام لعل نے جنوبی پنجاب میں لٹتے ہوئے خاندانوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ کرشن چندر نے جس طرح لوگوں کے سامنے ان کے پیاروں کو قتل کرنے کی مناظر پیش کیے ہیں رام لعل نے بھی اسی طرح اجڑتے ہوئے خاندانوں کی عکس بندی کی ہے۔ اس ضمن میں کرشن چندر کے افسانہ''امرتسر آزادی کے بعد'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''گاڑی میں ایک بڑھیا بیٹھی تھی اور اس کی گود میں اس کا پوتا تھا، راستے میں اس کا بیٹا مارا گیا۔ اس کی بہو کو جاٹ اٹھا کے لے گئے تھے۔ اس کے خاوند کو لوگوں نے بھالوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اب وہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں پر آہیں نہ تھیں، اس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے، اس کے دل میں دعا نہ تھی، اس کے ایمان میں قوت نہ تھی ۔'' [5]

یہ درست ہے کہ ان مسائل کی وجہ سے پیدا ہونے والے اثرات دور رس ثابت ہوئے لیکن فسادات کا آگ ہجرت کے عمل کے اختتام کے بعد ٹھنڈی پڑ گئی۔

دوم ایسے اثرات تھے جو پاکستان اور بھارت کے لوگوں کی زندگیوں کا عمر بھر کے لیے حصہ بن گئے۔ یہی نہیں یہ اثرات نسل در نسل اس خطے کے لوگوں کی زندگیوں میں نظر آتے رہیں گے۔ ان سماجی اثرات میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے خلاف نفرت سب سے تکلیف

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)
International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue
Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

ده مسئلہ ہے۔ برصغیر میں یہ سماجی عنصر اگرچہ تقسیم ہند سے قبل ہی مؤثر ہو چکا تھا لیکن تقسیم ہند کے بعد سماجی نفرت نے عملی شکل اختیار کر لی۔ یہ تقسیم اور ہجرت کو مواقع پر جنم لینے والی نفرت ہی تھی جس نے پاکستان اور بھارت کو متعدد بار جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا ہے۔

رام لعل نے اپنے افسانوں میں اس ریاستی ناکامی پر کھل کر تنقید کی ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ملک میں برپا ہونے والے فسادات کا تذکرہ کرتے ہیں وہاں ان درد ناک واقعات کے ساتھ ساتھ ریاستی بدانتظامی کا نوحہ بھی لکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ رایست کی ذمہ داری تھی کہ اپنے شہریوں کی زندگیوں کی حفاظت کرے۔ اگر ملک کی تقسیم ناگزیر تھی تو دونوں حکومتیں اس سانحے سے بچنے کے لیے کوئی مؤثر حکمت عملے اپناتیں تو کبھی بھی اتناقتال نہ ہوتا۔ حکومتوں اور سیاسی لوگوں نے یہ عمل اتنی عجلت میں کیا تھا کہ کسی کو کچھ بھی سجھائی نہ دیا اور خاندان کے خاندان، گاؤں کے گاؤں اپنا سب کچھ چھوڑ کر دیا غیر کو چل نکلے۔ ظہیر آفاق سیالوی ان کے افسانوں کے اس پہلو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’ملکی انتظام میں بدعنوانیوں پر بھی رام لعل نے بہت سے سبق آموز افسانے تخلیق کئے ہیں۔ تقسیم ہند کے زیر اثر ناقابل برداشت خون ریزی کے تحت ہندوستان کا ذرہ ذرہ جس چیخ و پکار سے بہرہ ہو چکا تھا ان حالات کی منظر کشی رام لعل کے افسانوں میں جلوہ گر ہے۔ ویسے فسادات پر بہت سے افسانہ نگاروں نے بہت کچھ لکھا مگر رام لعل کا انداز اور ان کی پیش کش ایک بے نظیر کیفیت کی حامل ہے۔ ‘‘ [6]

تقسیم کا ہنگامہ تھما تو برصغیر کے سماج کی طرح ادب میں بھی نئے رجحانات فروغ پانے لگے ۔اردو ادب کی دیگر اصناف نےعموماًجبکہ افسانے نے خصوصاً تبدیلی کا یہ اثر قبول کیا۔ اردو افسانہ جو کہ روایتی طور پر سماج کا ترجمان رہا تھا اب فرد کی

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)
International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue
Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

فردیت پر زور دینے لگا۔ اس لیے 1960ء میں جنم لینے والے جدید افسانے میں موضوعاتی طور پر فرد کو مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ ابتدائی افسانے پر غالب خارجیت کے برعکس جدید افسانے میں خارجیت سے زیادہ داخلیت پر زور دیا گیا۔ انسان کی انفرادی تفہیم و تعبیر میں جدید افسانے کے کردار پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر نگہت ریحانہ یوں تبصرہ کرتی ہیں۔

> "جدید افسانے کا میدان عمل فرد کی داخلی زندگی ہے وہ کردار کی سماجی سطح پر ظاہر ہونے والی حرکات و سکنات سے اس کی شخصیت کی شناخت نہیں کرتا بلکہ جدید افسانہ نگار کردار کی اس شخصیت کو منظر عام پر لاتا ہے جو ظاہری اعمال کے پس پردہ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اس کے جذبات و احساسات اس کی ذہنی کیفیات اس کے لاشعور میں چھپے خزانے کو پردہ اخفا سے باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے جدید افسانے کا کردار مخصوص حالات میں طے شدہ اور متوقع ردعمل ظاہر نہیں کرتا"[7]

جدید افسانہ نفسیاتی طور پر فرد کے تین پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اول یہ کہ یہ اپنے عہد کے انسان کے نفسیاتی ہیجان اور فکری کھلبلی کی تصویر کشی کرتا ہے۔ معاشی انتشار اور مسخ شدہ سماجی قدروں نے انسانی فکر میں تلاطم پیدا کر دیا تھا اسی تلاطم کو جدید افسانے نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ دوسرا پہلو جو ہمیں جدید افسانے پر غالب نظر آتا ہے وہ فرد کی تنہائی کا احساس ہے۔ مشینی دور اور بڑی سیاسی اتھل پتھل نے انسان کے جذبات کو یوں نظر انداز کیا کہ معاشرے میں اس کی حیثیت ثانوی ہوتی چلی گئی۔ بڑی تحریکوں اور معاشی مخمصوں نے فرد کی آواز کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ایک بڑا انسانی طبقہ سماج میں گھٹن اور تنہائی کا شکار ہو چکا تھا۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ جدید افسانے میں فرد اور سماج کے تعلق پر سیر

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)
International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue
Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

حاصل بحث کی گئی ہے تنہائی کا شکار فرد سماج کو جس نقطہ نظر سے دیکھ رہا تھا جدید افسانے نے ان تفکرات کو اپنا موضوع بنایا یہی وجہ ہے کہ ان افسانوں میں سماجی بیزاری اور anti-socialism کا تاثر ملتا ہے۔ نفسیاتی طور پر جدید افسانے کا کردار اپنے آپ کو سماجی پس منظر میں دیکھنے کی بجائے اپنی ذات کے قید خانے تک ہی محدود رکھتا ہے۔ دیگر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جدید افسانے کی روح میں عصری حسیت کا خون دوڑ رہا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پیدا ہونے والی سماجی جبر کی نئی لہر نے عموما اور پاکستان میں سیاسی حالات نے خصوصا سماج میں ذہنی دباؤ اور حدود و قیود کے خوف کو جنم دیا۔ ان حالات میں عام آدمی کی طرح اہل قلم بھی سراسیمگی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید افسانے میں سماجی جبر کی جو کیفیت ہمیں ملتی ہے اور اس میں خوف اور سنسناہٹ واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ جدید افسانے میں جمالیات کا تصور اردو کے روایتی افسانے سے مختلف ہے۔ جدید فنکار حسن کی مسحورکن نفاست کی بجائے اس میں بھی ایک عدم تحفظ اور بیجانیت تلاش کرتا ہے۔ حسن کی اس بے چارگی اور قبیحت کا تاثر اگرچہ جدید افسانے سے قبل منٹو کے ہاں بھی ملتا ہے لیکن 1960ء کے بعد کے افسانوں میں یہ بیان زیادہ موثر اور وسیع ہوا ہے۔ بقول وارث علوی

> "جدید افسانے کا عالم یہ ہے کہ وہ حسن اور سنگھار میں فرق نہ کر سکا۔ برسات میں بھیگے ہوئے اور دھوپ میں تمتماتے چہرے کے حسن کو اس کی آنکھیں دیکھ نہ سکیں۔ افسانہ نگار نے کہانی کو اپنا کام نہ کرنے دیا۔ تخیل کو کام کرنے نہ دیا۔ زبان کو کام کرنے نہ دیا۔"[8]

بعض ناقدین نے جدید افسانے میں موجود فکری کشمکش اور تنہائی کے احساس کو حقیقت سے زیادہ تخیل کا نتیجہ بھی قرار دیا ہے۔ یہ ناقدین فرد کو سماج کی اکائی کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

نزدیک افراد ہی جب سماج اور سماجی ڈھانچے کو تشکیل دے رہے ہوتے ہیں تو خود فرد کی شناخت کی گمشدگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔جدید افسانے نے چونکہ انسان کو ایک سماجی کل کی بجائے اسے تنہا فرد کے طور پر دکھایا ہے اس لیے جدید افسانے کا یہ تصور حقیقت پسندی کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا۔ مختصر یہ کہ جدید افسانہ سماج میں فرد کے کردار کی تصویر کشی بھی فرد کی ذات سے باہر نکل کر نہیں کرتا بلکہ وہ فرد کی ذات میں بیٹھ کر تصورات اور خیالات کے جال بنتا چلا جاتا ہے۔ انسانی نفسیات کی تغیر پذیری اور اس کی منطقی حدود کی وجہ سے خیالات کے یہ جال اکثر مقامات پر اپنی قطعیت کھو دیتے ہیں بقول مسز لنڈا ونٹنک۔

> " جدید اردو افسانے میں anti-utopianism کی بجائے utopianism سب سے نمایاں عنصر ہے۔ مثال کے طور پر جدیدیت کی نسل کے افسانہ نگار ڈاکٹر انور سجاد کے آخری دس سال کے افسانوں میں نیا سورج، نئی صبح، نئی دنیا کی آمد ایک افسانوی تھیم رہا ہے۔ چناں چہ صنعتی نظام کی وجہ سے جو Nostalgia پیدا ہوا، اور وہ یوٹوپیائی تصور جس نے نئے حالات کو ایک خوشگوار مستقبل کا امکان بنایا ان دونوں تصورات میں جدید اردو افسانہ ایک ایسے معاشرے کا عکس دکھاتا ہے جو مغربی جدیدیت کے معاشرے کی بجائے مغربی رومانیت کے معاشرے سے زیادہ نزدیک ہے"[11]

اس دور نئے افکار کے ساتھ ساتھ فنی سطح پر بھی نئے افسانے میں متعدد تجربات کیے گئے ہیں۔ ان تجربات میں سب سے بنیادی تجربہ افسانے کے ہیتی ڈھانچے کو تبدیل کرنے کا تجربہ ہے۔ جدیدِ افسانہ نگاروں نے اردو افسانے کے بنیادی اصول یعنی کہانی پن سے ہی انحراف کیا ہے۔ جس کی وجہ سے اردو افسانوں کی فضا میں اینٹی سٹوری کا تاثر نمایاں ہوا۔ خاص طور پر 1960 اور 1970 کی دہائی میں اردو میں بیشتر ایسے افسانے لکھے گئے جن میں کہانی پن کا

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)

International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

عنصر یا تو سرے سے ہی موجود نہیں اور اگر اس کی شکل ہے بھی صحیح تو نہایت ضعیف ہے۔ ان افسانوں میں سریندر پرکاش کا شہرہ آفاق افسانہ "تلقارمس" اور "برف کا مکالمہ"، بلراج مین را کا افسانوی پارہ "مقتل" اور "ایک مہمل کہانی" انور سجاد کا افسانہ "دوب ہوا اور لنجا"، "بچھو"، "غار" اور رشید امجد کا "گملے میں اگا ہوا شہر" قابل ذکر ہیں۔

جدیدیت کی اس لہر کے ساتھ متوازی طور ایسے افسانے بھی لکھے گئے جن میں کسی خاص تحریک کے اثر کا رجحان نہیں تھا ۔ ان افسانہ نگاروں میں غلام عباس، انتظار حسین، اشفاق حسین، بانو قدسیہ، نیر مسعود، آغا بابرالطاف فاطمہ اورمنشا یاد کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے جدید دور میں بھی اپنے افسانوں میں کلاسیکی فضا قائم رکھی ہے۔ موجوعاتی طور پر اگرچہ نئے افسانے میں متعدد تجربات کیے گئے ہیں لیکن فنی لحاظ سے 1960 ء کی دہائی میں لکھے گئے جدید افسانے کی طرح پلاٹ سے انحراف نہیں کیا گیا۔ نئے افسانے میں معاشرے میں پھیلتی ہوئی عدم برداشت سے لے کر تصوف تک کے سبھی موضوعات شامل ہیں۔

مجموعی طور پر اردو افسانے کی سوا صدی تک پھیلی ہوئی روایت موضوعاتی اور فنی لحاظ سے متعدد مدارج سے گزرتی ہوئی موجودہ سورت حال تک پہنچی ہے۔ اس عہد میں اردو افسانے نے جہاں کئی روایت ساز افسانہ نگار پیدا کئے ہیں وہاں ایسے افسانہ نگار بھی دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے اردو افسانے کو ادب کی دیگر تمام اصناف سے ممتاز کیا۔

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1(2025)
International Conference on Computer Science, Management, and Social Sciences (ICCSMSS-2025) -Special Issue
Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

حوالہ جات

پروین اظہر، ڈاکٹر، اردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید،ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2000ء، ص31
ایضاً
سجاد حیدر یلدرم، سودائے سنگین، مشمولہ، خیالستان، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، 1956ء، ص 215
قمر رئیس، اردو افسانے کی نصف صدی، مشمولہ، ہماری زبان، دہلی، فروری 1975ء، ص 25
محمد حسن، ڈاکٹر، جدید ادب کی ادبی قدر و قیمت، مشمولہ ، عصری ادب،فروری 1947ء، ص 17
کرشن چندر، امرتسر آزادی کے بعد (افسانہ)، مشمولہ، ''ہم وحشی ہیں''(افسانوی مجموعہ)،آفیسٹ پرنٹرس، دہلی، 2002ء،ص 53
ظہیر آفاق،'' رام لعل کی افسانہ نگاری''،اے ون آفیسٹ پرنٹرز، دہلی، 1992ء، ص 36
وارث علوی، جدید افسانہ اور اس کے مسائل، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1990ء، ص 52